دعوت وتبلیغ
کے
رہنما اُصول

تالیف

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

ترتیب وپیشکش

محمد ارمغان بدایونی ندوی

ناشر: ایچ، ایم، حسین ٹرسٹ
H.M.Husain Trust
Email: hmhamuwash@yahoo.com
Cell: +91 7095168679

جملہ حقوق محفوظ

طبع اول: ربیع اوّل ۱۴۳۹ھ مطابق دسمبر ۲۰۱۷ء گریگورین Gregorian

نام کتاب: دعوت وتبلیغ کے رہنما اصول

مصنف: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی

تعداد اشاعت: 3000

صفحات: 16

قیمت: ہدیہ: بیچ، یم، حسین ٹرسٹ

ترتیب وپیشکش: محمد ارمغان بدایونی ندوی

کمپیوٹر کتابت: مولانا سید عبدالحمید قاسمی (استاذ جامعہ اسلامیہ دارالعلوم رحمانیہ، حیدرآباد)
Cell: +91 9849022015

باہتمام: انجینئر محمد عثمان حیدرآبادی

انتساب

محترم بیچ یم حسین صاحب اور اہلیہ علیہ الرحمۃ

(والدین ماجدین انجینئر محمد عثمان حیدرآبادی)

ملنے کا پتہ: (۱) مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ 0522-2741539

(۲) دارِعرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی، یوپی 09807240512

ناشر: بیچ، یم، حسین ٹرسٹ

H.M.Husain Trust
Email: hmhamuwash@yahoo.com
Cell: +91 7095168679

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیش لفظ

''تحریک پیام انسانیت'' کا باقاعدہ آغاز مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۷۴ء میں الہ آباد کے ایک کنونشن سے کیا تھا، حضرت مولانا کی نگاہِ بصیرت نے محسوس کرلیا تھا کہ اگر ملک کے حالات نارمل نہ ہوئے تو نہ مدارس محفوظ ہیں، نہ یہ دینی واسلامی تحریکات؛ بلکہ مسلمانوں کا وجود اس ملک میں خطرہ میں پڑجائے گا اور خود یہ ملک بھی خطرہ سے دوچار ہوگا، اس کی سالمیت اور تحفظ کے لیے اگر کوئی تدبیر سودمند ہوسکتی ہے تو صرف یہی ہے کہ غلط فہمیوں کو دُور کیا جائے، باہمی اعتماد کی فضا بحال کی جائے اور انسانی قدروں کو بڑھاوا دیا جائے۔

حضرت مولانا کو اس ضرورت کا شدت سے احساس تھا اور اس کے لیے مولانا نے پورے ملک کے دورے کیے، ملاقاتیں کیں اور لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کیا، حضرت کی وفات کے بعد حضرت کے جانشین عم مخدوم ومعظم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کی سرپرستی اور برادرِ محترم حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی مسلسل فکر وکوشش سے یہ کام جاری رہا اور کوشش کی گئی کہ اس کو منظم بھی کیا جائے اور پورے ملک میں اس کی اہمیت لوگوں کے سامنے رکھی جائے۔

ادھر چند سالوں سے ایک سالانہ مشاورتی اجتماع تکیہ شاہ علم اللہ رائے بریلی میں حضرت مولانا دامت برکاتہم کی سرپرستی میں منعقد ہوتا ہے، جس میں الحمدللہ مختلف

صوبوں سے نمائندے تشریف لاتے ہیں اور کارگزاریاں بھی ہوتی ہیں، مشورے بھی ہوتے ہیں اور کام کو پھیلانے کی تدابیر کے سلسلہ میں غور ہوتا ہے۔

اس سال ۱۱، ۱۲/ نومبر ۲۰۱۷ء کو سالانہ اجلاس رائے بریلی میں منعقد ہوا، جس میں حضرت کا افتتاحی اور اختتامی خطاب ہوا، جو بڑا مفید، مؤثر اور پُرمغز تھا، افادۂ عام کی خاطر اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ان خطابات کو شائع کیا جائے، راقم محترم المقام جناب انجینئر عثمان بھائی حیدرآبادی کا انتہائی مشکور ہے کہ انہوں نے اپنے ٹرسٹ سے اس کو شائع کرنے کا ارادہ فرمایا؛ انہوں نے عزیزی مولوی عرفان ندوی کو مکلف کیا کہ وہ اس کو قلمبند کریں، عزیز موصوف نے افتتاحی خطاب قلمبند کیا، پھر وہ عزیز القدر مولوی محمد ارمغان ندوی کے حوالہ کیا؛ انہوں نے اس کو اور دوسرے خطاب کو کمپوز کیا، تصحیحات کیں اور ذیلی عناوین لگائے، اس طرح یہ رسالہ کی شکل میں ناظرین کے سامنے ہے۔

اللہ تعالیٰ ان سب معاونین کو اجر عطا فرمائے، خاص طور پر ''بیچ یم حسین ٹرسٹ'' کے ذمہ دار جناب انجینئر عثمان بھائی صاحب کو۔

یہ ایک بیش قیمت رہنما رسالہ ہے، جس سے کام کرنے والوں کو مدد بھی ملے گی، بنیادی اُصول معلوم ہوں گے اور عام لوگوں کی اس کی طرف توجہ بھی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور حضرت والا کی عمر میں صحت وعافیت کے ساتھ برکت عطا فرمائے، آمین۔

بلال عبدالحی حسنی ندوی
جنرل سکریٹری
پیام انسانیت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دعوت وتبلیغ کے رہنما اصول

مخاطب کی رعایت:

''تحریک پیام انسانیت'' ملک کے نازک حالات میں یہاں کے باشندوں کے لیے ایک رہنما تحریک ہے، اس سے ہمیں مختلف مواقع پر قول وعمل کے ذریعہ اپنی بات کی پیش کرنے کا طریقہ سمجھ میں آتا ہے اور یہ سمجھ داری کی بات ہوتی ہے کہ آدمی حالات اور مخاطب کو سامنے رکھ کر بات کرے، اس لیے کہ تنہا بات کہہ دینا کافی نہیں ہوتا؛ بلکہ بات کا سمجھ میں آجانا یا سمجھا دینا بھی ضروری ہوتا ہے؛ ورنہ بسا اوقات بات بے کار چلی جاتی ہے، عام طور پر اس کا خیال نہ کرنے کی وجہ سے اصلاحی کوششیں بے کار ہوجاتی ہیں؛ اگر دیکھا جائے تو اس دور میں ماشاء اللہ اصلاحی کوششیں خوب ہورہی ہیں؛ لیکن ان کا جتنا فائدہ ہونا چاہیے اتنا فائدہ نہیں ہورہا ہے، اس کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر اصلاحی کوشش کرنے والے اپنے مخاطب کے مزاج کا بہت زیادہ اندازہ نہیں کرتے اور اپنی بات کہہ دیتے ہیں، ظاہر ہے سچی بات کا کہہ دینا اچھی بات ہے؛ لیکن اس کی افادیت اسی وقت ہوگی، جب وہ سچی بات دوسرے کے دل ودماغ میں اُتر جائے؛ کیونکہ ہر شخص اپنی اپنی سطح کے اعتبار سے عقل

وسمجھ رکھتا ہے اور اس کے ذہن میں پہلے سے اپنے مخاطب کے لیے ایک خاص زاویہ نگاہ ہوتا ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ آدمی کے ذہن کی تشکیل اس کی طبیعت اور حالات کے ذریعہ ہوتی ہے، وہ جن چیزوں کو دیکھتا رہتا ہے اور جن چیزوں کو سنتا رہتا ہے وہ اس کے ذہن میں بیٹھتی رہتی ہیں اور جب یہ دیکھتا ہے کہ سب ایک ہی طرح کی بات کر رہے ہیں تو وہ اس بات کو مان لیتا ہے کہ جب سب لوگ ایک ہی بات کہہ رہے ہیں تو یہ بات ٹھیک ہی ہوگی؛ پھر یہی چیز اس کا مزاج بن جاتی ہے، اب اگر ایسا شخص دوسرے ماحول میں جائے گا تو وہاں اس کو اجنبیت معلوم ہوگی، وہاں کی باتیں اس کو اچھی نہیں لگیں گی، اس لیے کہ اس کے دل ودماغ میں وہ باتیں بیٹھی ہوئی ہیں، جو اس نے پہلے سنی اور دیکھی ہیں؛ لہٰذا اگر اس سے آپ اس ماحول کے اعتبار سے بات کریں گے تو وہ بات ضائع ہوجائے گی، وہ یہی کہے گا کہ یہ کیا بکتے ہیں؟ یہ اپنی ہی بات کہے جارہے ہیں، دوسرے کی بات ہی نہیں سمجھتے؛ گویا اپنے ذہن میں یہ سوچ کر وہ آپ کی بات رَد کردے گا اور اس کو قبول نہیں کرے گا؛ لیکن اگر اس کے مزاج اور اس کی طبیعت کی رعایت کرکے بات کی جائے تو اس بات کا اثر پڑتا ہے۔

اندازِ دعوت:

ہمارا ملک ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جس میں مختلف طبقات ہیں، مختلف قومیں ہیں، مختلف مذاہب ہیں، اس طرح اس ملک میں مختلف مزاج اور مختلف ذہنیتوں کے لوگ آباد ہیں؛ ایسے حساس ملک میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہاں کے لوگوں کی ذہنیت کو کس طرح تبدیل کیا جائے؛ اگر اس کا جواب ہم کتاب وسنت کی روشنی میں تلاش کریں تو معلوم ہوگا کہ اس کے لیے حکمت کی ضرورت ہے، قرآن مجید میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۖ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ﴿١٢٥﴾ (سورۃ النحل)۔

ترجمہ: ''اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعہ بلاتے رہئے اور اچھے طریقہ پر ان سے بحث کیجئے''۔

معلوم ہوا اہلِ ایمان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ تم دوسروں تک اچھی بات پہنچاؤ؛ لیکن حکمت کے ساتھ موقع محل کو سمجھتے ہوئے پہنچاؤ، حکمت کا مطلب یہی ہے کہ موقع کا جو تقاضا ہے اس کا لحاظ کیا جائے، یہ سمجھا جائے کہ اس موقع پر کتنی بات کہی جاسکتی ہے اور کب کہی جاسکتی ہے، قرآن مجید میں فرمایا گیا: وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ یعنی اچھے انداز میں سمجھاؤ مَوْعِظَةِ کا لفظ نصیحت کرنے کے لیے آتا ہے، یعنی اچھے انداز میں نصیحت کرنا؛ لیکن اس کے ساتھ مزید حسنۃ کی مزید تاکید کا مطلب ہے کہ اچھے سے اچھے انداز میں سمجھاؤ، یعنی صرف سمجھاؤ نہیں بلکہ بہت اچھے انداز میں سمجھاؤ؛ گویا پہلے حکمت کہا گیا اس کے بعد مزید حسنۃ کہہ کر یہ بتایا گیا کہ بہت اچھے انداز میں سمجھاؤ، اس کے بعد فرمایا کہ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ یعنی اگر سمجھاتے ہوئے بات بحث میں آجائے، بحث میں آنے کا مطلب یہ ہے کہ دلائل میں آجائے اور مخاطب دلیل طلب کرے تو ایسے موقع کے لیے یہ رہنمائی فرمائی گئی کہ بحث کا جو بہتر سے بہتر طریقہ ہے وہ اختیار کرو۔

قرآنی اُسلوب:

قرآن مجید کی اس رہنما آیت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جب ہم اپنی بات دوسرے کے سامنے رکھیں تو موقع کی نزاکت کو سمجھ کر رکھیں اور اس انداز سے پیش کریں جس میں اس بات کا خاص لحاظ ہو کہ سننے والا ہماری بات کو کتنا سمجھ سکتا ہے اور ہماری کتنی بات اس کے دل میں اُتر سکتی ہے، قرآن مجید کے اُسلوب بیان سے ان باتوں کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے، قرآن مجید نے انسانی سطح کا خاص خیال رکھا ہے اور اس میں بے شمار ایسی باتیں ہیں جن کو علمی دلائل سے بہت اچھی طرح سمجھایا جاسکتا تھا؛ لیکن ان کو اچھے اُسلوب میں اس طرح سمجھایا گیا ہے کہ ایک معمولی سمجھ کا آدمی بھی بلا تردد سمجھ

سکتا ہے، اپنی وحدانیت کے اقرار کے لیے عام فہم انداز میں فرمایا گیا کہ ''آسمان کو دیکھو'' اور ''چاند ستاروں کو دیکھو'' اسی طرح توجہ دلائی گئی کہ کہکشاؤں وغیرہ کے نظام کو دیکھو، یہ غور کرو کہ ان سے تمام انسانوں کو کتنا فائدہ پہنچتا ہے؛ پھر یہ سوچو کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے اور جس نے پیدا کیا ہے اس نے کس طرح بنایا ہے وغیرہ وغیرہ۔

معلوم ہوا ایسی باتیں جو معمولی سمجھ والے کو سمجھائی جاتی ہیں؛ اسی طرح اللہ تعالیٰ سمجھا رہا ہے اور جو انتہائی اونچی باتیں اونچے درجہ سے وہ کہہ سکتا ہے، اس کے بجائے بہت آسان طریقہ اختیار کیا جس کو ہر شخص سمجھ سکے، معمولی سمجھ کا آدمی بھی سمجھ سکے اور زیادہ سمجھ والا بھی سمجھ سکے؛ گویا اس طرح قرآن مجید نے ہماری تربیت بھی کردی کہ ہم کو اپنے مخاطب سے کس انداز میں بات کرنا چاہیے۔

قرآن مجید کا مطالعہ کریں تو نظر آتا ہے کہ مخاطبت کے عجیب عجیب انداز اختیار کیے گئے ہیں، نزول قرآن کے وقت قرآن مجید کے جو لوگ مخاطب تھے ان میں کافر بھی تھے، منافق بھی تھے، یہودی بھی تھے، عیسائی بھی تھے اور عربوں کے مختلف طبقات بھی تھے، جن میں فرقہ وارانہ انداز تھا؛ لیکن قرآن مجید نے ان سب کا لحاظ رکھا ہے، کہیں پر صرف یہودیوں کے ذہن کے مطابق بات کہی، کہیں عیسائیوں کے ذہن کے مطابق بات کہی، کہیں کہیں منافقوں اور کہیں کافروں کے لحاظ سے بات کہی، یعنی جگہ جگہ قرآن مجید نے اپنا طریقہ بدلا ہے اور وہی طریقہ اختیار کیا ہے جو مخاطب سمجھ سکے، مشرکین کے متعلق آتا ہے کہ آپ ان پر زور زبردستی نہ کیجئے! ایسا نہ ہو کہ ان کو اچھے انداز سے دعوت دیتے ہوئے ان کے جو معبود ہیں، جن کو وہ پکارتے ہیں، جن سے وہ اپنی مرادیں مانگتے ہیں، آپ انہیں کو اول مرحلہ میں برا کہہ دیں، قرآن مجید میں فرمایا گیا کہ اگر ان کو برا کہو گے تو اس کا ردعمل یہ ہوگا کہ وہ تمہارے خدا کو برا کہیں گے، اسی لیے صاف صاف حکم قرآنی ہے:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ

عِلْمٍ ﴿۱۰۸﴾ (سورۃ الانعام)۔

ترجمہ: ''اور جن کو وہ اللہ کے علاوہ پکارتے ہیں تم ان کو برا بھلا مت کہو کہ وہ نا سمجھی میں حد سے آگے بڑھ کر اللہ کو برا بھلا کہنے لگیں''۔

یعنی جو لوگ شرک کر رہے ہیں، مالکِ حقیقی کے علاوہ کو اپنا خدا مان رہے ہیں، ان کو بھی برا نہ کہا جائے؛ ورنہ وہ بھی ہمارے خدا کو برا کہیں گے اور اسی طرح ان پر کسی قسم کا کوئی جبر نہ کیا جائے؛ کیونکہ اسلام کے معاملہ میں غیر مسلم پر جبر کرنا منع ہے، ارشادِ الٰہی ہے:

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ ﴿۲۵۶﴾ (سورۃ البقرۃ)۔

ترجمہ: ''یعنی دین کے معاملہ میں کسی پر زبردستی نہیں ہے''۔

اگر مخاطب مانتا ہے تو مانے نہ مانے تو نہ مانے، ہم اس پر کوئی جبر نہیں کر سکتے؛ غرض کہ دین اسلام میں دعوت کا یہ ایسا طریقہ بتایا گیا ہے جس سے زیادہ مفید طریقہ نہیں ہو سکتا ہے۔

خاموش دعوت:

دعوت کا ایک خاموش طریقہ یہ ہے کہ انسان کا کردار و گفتار بذاتِ خود باعث کشش ہو، قرن اول میں اسلام قبول کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو نہ کسی کے زور زبردستی سے حلقہ بگوشِ اسلام ہوئی اور نہ ہی کسی کی انتھک محنت سے؛ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں اسلام قبول کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد وہ تھی جو صرف قرآن مجید سن کر اتنا متاثر ہوئی کہ وہ اپنے آپ کو اسلام میں لائے بغیر نہ رہ سکی، اسی طرح ایک بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جو صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور کو دیکھتے ہی مسلمان ہوگئی، متعدد بار ایسا ہوتا تھا کہ آدمی دشمن بن کر آیا اور آپ کے منہ سے دو لفظ سنے تو دوست بن کر واپس ہوا، یعنی آیا قتل کے ارادہ سے تھا مگر جب وہاں پہنچا اور آواز دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے اور پوچھا کیسے آئے؟ تو جس لہجہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیسے آئے؟ اسی لمحہ اس کا

دل بدل گیا، وہ طبعی طور پر یہ سوچنے کے لیے مجبور ہو گیا کہ ہم تو دشمن بن کر آئے ہیں اور یہ ہم سے اس طرح محبت سے بات کر رہے ہیں، یہ تو اس طرح بات کر رہے ہیں جیسے اپنے کسی عزیز سے بات کر رہے ہوں؛ لہٰذا ان کے ساتھ ہم کسی صورت دشمنی نہیں کر سکتے، بعض روایات میں آتا ہے کہ کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور دیکھ کر کہا: واللہ! یہ جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں ہو سکتا، اللہ تعالیٰ نے انسان کے چہرہ میں یہ ایک بڑی خصوصیت رکھی ہے کہ چہرہ انسان کے افکار کا آئینہ ہوتا ہے، آدمی کے اندر کیفیت اس کے چہرہ پر آجاتی ہے؛ اگر وہ غصہ کی حالت میں ہوگا تو اس کا چہرہ بتادے گا کہ غصہ کی حالت میں ہے؛ اگر وہ رنج کی حالت میں ہوگا تو چہرہ بتادے گا کہ رنج کی حالت میں ہے؛ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ دیکھتے ہی آدمی فریفتہ ہو جاتا تھا کیونکہ وہ سمجھ جاتا تھا کہ آپ کا چہرہ یہ بتا رہا ہے کہ آپ بڑی محبت والے ہیں اور بڑے ہمدرد ہیں؛ لہٰذا ہم ان سے دشمنی کیسے کر سکتے ہیں؟ اسی لیے اگر یہ کہا جائے کہ آدھے صحابہ وہ ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر اسلام میں داخل ہوئے ہیں اور آدھے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وہ ہیں جو قرآن مجید کو سن کر داخل اسلام ہوئے ہیں تو غلط نہ ہوگا، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں ایک بڑی تعداد ایسی ہے کہ اس نے قرآن مجید کی چند آیتیں سنیں اور وہ اثر کر گئیں، اس لیے کہ یہ آیات سیدھے دل پر جا کر لگتی تھیں، دل پر چوٹ نہیں لگاتی تھیں بلکہ ان میں محبت کا انداز ہوتا تھا جو کہ دل کو کھینچ لیتی تھیں۔

طرزِ تکلم:

دعوت کا اُصول یہ ہے کہ آپ ایسا طریقہ کلام اختیار کریں جس کے بعد انسان یہ کہنے پر مجبور ہو جائے کہ ان کی بات صحیح اور معقول ہے، انسان کے انداز کا بہت اثر پڑتا ہے، آپ مخاطب سے جس انداز سے کوئی بات کہیں گے اس پر ویسا ہی اثر پڑے گا؛ اگر آپ مخاطب سے کوئی بات جیتنے کے انداز میں کہیں گے تو اس پر کوئی خاص اثر نہیں ہوگا؛ لیکن اگر آپ اس سے ہمدردی کے لہجہ میں بات کریں گے اور اس کے لیے اپنے دل میں

تڑپ رکھیں گے تو اس پر آپ کی بات کا گہرا اثر پڑے گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حال یہ تھا کہ آپ لوگوں کے لیے تنہائی میں تڑپتے تھے، یہ سوچتے تھے کہ یہ لوگ جہنم میں جائیں گے، میں ان کو کسی طرح پکڑ کر روک لوں کہ یہ جہنم سے بچ جائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ایک مثال بھی دی کہ ہماری مثال ایسے ہی ہے جیسے آگ جل رہی ہو، لوگ اس میں گرے جارہے ہوں اور ہم ان لوگوں کی کمر پکڑ پکڑ کر اس آگ سے ہٹا رہے ہیں کہ بھائی آگ میں نہ جاؤ؛ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس مثال سے امت کو یہ سمجھا رہے ہیں کہ لوگوں کو جب دعوت دی جائے تو دل میں اس قسم کی کڑھن ہونا چاہیے کہ تم دیکھ نہیں رہے ہو آگے گہرا گڑھا ہے، تم اس میں گر جاؤ گے، اس میں سوچنے کی بات یہ ہے کہ آدمی اپنے لیے نہیں تڑپ رہا ہے؛ بلکہ سامنے والے سے کہہ رہا ہے اور اس کی بھلائی کے لیے کہہ رہا ہے، اب وہ اس سے جس انداز میں کہے گا اسی انداز میں ہمدردی ہوگی، ظاہر بات ہے اس انداز میں دھمکی نہیں ہے کہ بھائی آگے گڑھا ہے دیکھو گرنا جانا؛ اگر کوئی یہ انداز اختیار کرے تو سننے والا سمجھ لے گا کہ یہ ہماری ہمدردی میں کہہ رہے ہیں، ہم کو بچانا چاہتے ہیں، قرآن مجید میں خطاب کا یہی انداز سکھایا گیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کا انداز بھی محبت بھرا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح محبت سے بات کرتے تھے اور جس طرح لوگوں کو متوجہ کرتے تھے، بس دل میں بات اُتر جاتی تھی، جب کہ اس وقت ایک مشترک سوسائٹی تھی، کچھ لوگ مسلمان ہو گئے تھے اور کچھ مسلمان نہیں ہوئے تھے اور پھر دوسرے لوگ مختلف لوگ تھے، بعض مخالف تھے، بعض موافق تھے؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ آپ سب سے محبت کے ساتھ بات کرتے تھے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ جس نے بھی ایک مرتبہ آپ کی بات سن لی اور آپ سے مل لیا وہ یہی کہتا تھا یہ مخالفت والے آدمی نہیں ہیں۔

ماحول کا اثر:

ہم اور آپ ایک ایسے ملک میں رہتے ہیں جہاں مختلف طبقات کے لوگ آباد ہیں

اور مختلف طبیعتوں کے لوگ ہیں، اس میں مسلم اور غیر مسلم کا فرق نہ بھی کیا جائے تب بھی یہ بات طے ہے کہ لوگوں کی طبیعتیں الگ الگ ہوتی ہیں، جو جس سوسائٹی کا ہے اسی کے لحاظ سے اس کی طبیعت ہوتی ہے، طبیعت سب کی ایک نہیں ہوتی؛ لہٰذا اگر ہم ایک طبیعت سمجھ کر کے سب سے بات کریں گے تو اس کا نقصان ہوگا، ہر شخص کی طبیعت اس کے ماحول سے بنتی ہے، ماحول کا بہت اثر پڑتا ہے، ہم سب اپنے ماحول کے بنے ہوئے ہیں، ایسا نہیں ہے کہ اسلام ہمارے سامنے رکھا گیا اور ہم نے قبول کر لیا؛ بلکہ ہم سب اپنے ماحول کے اعتبار سے بنے ہوئے ہیں اور اگر آپ ماحول کو تبدیل کریں گے تو جس ماحول کو قبول کریں گے اس کی قدر کرتے ہوئے اس کو قبول کریں گے؛ لہٰذا آپ ایک ایسا ماحول بنائیں جس میں اس بات پر خاص توجہ دی جائے کہ ہم کو سب سے محبت سے ملنا ہے، سب سے ہمدردی سے بات کرنا ہے، سب کو یہ دکھانا ہے کہ ہم تمہارے لیے ایک بھائی کی طرح ہیں، ہم تمہارے سچے ہمدرد ہیں، ہم تمہیں چاہتے ہیں کہ تم نقصان سے بچ جاؤ، ہم چاہتے ہیں کہ تم آرام کی زندگی گزارو، تمہیں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہو، تم کو پریشانی نہ ہو، اس لیے کہ انسانی زندگی میں پریشانیاں بے شمار ہیں، یہ زندگی عجیب وغریب زندگی ہے، اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ زندگی امتحان کے لیے دی ہے، اس لیے اس میں بڑا تنوع ہے، اس میں ہر آدمی کو طرح طرح کے حالات پیش آتے ہیں اور وہ حالات ایسے ہوتے ہیں جن کا تعلق کسی مذہب سے نہیں بلکہ انسانی زندگی سے ہوتا ہے، اس دنیا میں جو انسان بھی زندہ ہے تو اس کے ساتھ یہ بات لگی ہوئی ہے کہ پریشانیاں آئیں گی اور ان کو دور کرنے کی تدبیریں اختیار کی جائیں گی، اب جو شخص بھی کسی کی پریشانی دور کرنے کی کوشش کرے گا وہ اس پریشان حال کے نزدیک محبوب ہو جائے گا؛ لہٰذا اگر آپ کسی پریشان شخص سے ہمدردی سے بات کر لیجئے تو اس کا دل آپ سے خوش ہو جائے گا اور ایسے موقع پر مسئلہ کسی خاص نظریہ یا مذہب کا نہیں ہوتا بلکہ مسئلہ انسانی ہمدردی کا ہوتا ہے، انسانی تعلق کا ہوتا ہے کہ ہم سب انسان ہیں تو انسان ہونے کی حیثیت سے ایک دوسرے سے ربط رکھیں،

انسان انسان ہے، جانور نہیں ہے کہ ہم اس کے ساتھ جانور جیسا معاملہ کریں، ظاہر ہے ہم انسان کے ساتھ انسان جیسا معاملہ کریں گے یعنی بھائی جیسا، ہم اس سے کہیں گے کہ بھائی تم کو بھی زندہ رہنے کا حق ہے، ہم کو بھی زندہ رہنے کا حق ہے، تم بھی اچھی طرح زندگی گزارو، ہم بھی آرام سے زندگی گزاریں۔

مؤثر طریقۂ دعوت:

دعوت کی راہ میں مذکورہ انداز دوسرے کو دوست اور اپنا ہمدرد بنانے کا بہترین طریقہ ہے، اس کا جتنا اثر پڑتا ہے اتنا اثر دلائل سے نہیں پڑتا ہے اور بحث کا بھی اثر نہیں پڑتا ہے؛ بلکہ اس کا الٹا اثر پڑتا ہے، سالوں قبل ہمارے ملک ہندوستان میں بہت مناظرے ہوتے تھے، خود ہم بھی بعض مناظروں میں شریک ہوئے ہیں اور ہم نے وہاں یہ دیکھا ہے کہ دونوں طرف سے یہ کوشش ہوتی ہے کہ ہم ہی جیتیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دونوں جیتتے ہیں اور دونوں ہارتے ہیں اور بسا اوقات ایک دوسرے کو برا کہنے اور غلطی نکالنے تک کی نوبت آجاتی ہے؛ لیکن اس پروگرام سے کوئی خاطر خواہ حل نہیں نکلتا، اس لیے کہ زور زبردستی سے کسی کو بات منوانا مشکل ہے، بمقابلہ محبت و ہمدردی کے ساتھ پیش آنے کے، انسان پر محبت و ہمدردی کا جو اثر پڑتا ہے وہ غیر معمولی ہوتا ہے؛ اگر کسی اسپتال میں ڈاکٹر ہمدردی کے ساتھ دوا دیتا ہے اور محبت کے ساتھ علاج کرتا ہے تو مریض کا آدھا مرض ختم ہوجاتا ہے؛ لیکن اگر ڈاکٹر نے صاف صاف جملوں میں بات کی تو مریض کا دل ٹوٹ جاتا ہے، اس کو اگر کل مرنا ہے تو آج ہی مرجائے، اسی طرح جو شخص مریض کی مدد کرے، مریض کے ساتھ ہمدردی کرے اور اس کو کچھ دے دلائے تو اس عمل سے یقینی طور پر مریض بے حد متاثر ہوگا؛ اسی طرح جو شخص مصیبت میں ہو وہ اس بات کے لیے بالکل بے تاب ہو کہ کوئی ہماری مدد کرے، ہماری تکلیف دور کرے تو اگر اس کا یہ مطالبہ جو کہ دل کا مطالبہ ہے پورا ہوجائے تو بلاشبہ وہ آپ کا گرویدہ ہوجائے گا اور پھر وہ زندگی بھر

آپ کو یاد رکھے گا کہ یہ فلاں صاحب ہیں جو مصیبت کے موقع پر ہمارے کام آئے تھے، چاہے کوئی بھی شخص اس کی بات بالکل نہ مانے؛ لیکن ہم اعتراف کریں گے کہ یہ ہمارے فلاں موقع پر کام آئے تھے، جب ہمیں پریشانی تھی تب یہ ہمارے کام آئے تھے، پھر وہ جب بھی آپ سے ملے گا اسی جذبہ سے ملے گا کہ انہوں نے آڑے وقت پر ہماری مدد کی تھی اور مشکل وقت میں ہمارے کام آئے تھے۔

حکم الٰہی:

مسلمان کو اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی اخلاق کا حکم دیا ہے اور اسی لیے اسلام کا نام ''سلم'' رکھا ہے اسلام کے معنی ہیں اپنے کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دینا اور اس کے دوسرے معنی ''سِلم'' کے بھی ہیں، اس کو اللہ تعالیٰ نے ''سِلم'' بھی کہا ہے، ''سلم'' کے معنی امن کے ہیں، یعنی جو مسلمان ہے وہ امن قائم کرنے والا ہے، مسلمان وہ ہے جس نے اپنے آپ کو اللہ کے حوالہ کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے گا وہ ہم کریں گے، ہم اپنی مرضی سے کچھ نہیں کریں گے، اس کو ''اسلام'' کہا گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ''مسلمان'' نام رکھا ہے؛ گویا ہمیں یہ سکھایا گیا ہے کہ ہم دوسروں کو فائدہ پہنچانے والے ہیں، امن قائم کرنے والے ہیں، دوسروں کی ہمدردی کرنے والے ہیں، صرف یہی نہیں کہ عبادت کر لی اور فارغ ہو گئے، عبادت کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے، انسانوں سے نہیں ہے، آپ جب بھی عبادت کریں گے تو وہ عبادت اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہوگی اور اگر نہیں ہوگی تو نہیں ہوگی؛ لیکن انسانوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اور جہاں معاملہ انسانوں سے تعلق کا ہے، وہاں عبادت کا مسئلہ نہیں ہے کہ فلاں صاحب بڑے عبادت گزار ہیں، تہجد گزار ہیں؛ بلکہ وہاں یہ ہے کہ اگر ان کا معاملہ لوگوں کے ساتھ اچھا نہیں ہے تو ان کا یہ عمل اسلام کے خلاف ہے، اسلام میں دونوں چیزیں رکھی گئی ہیں، پہلی یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور دوسری یہ کہ لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرو، یعنی اپنے کو اللہ تعالیٰ کے سپرد

کرو، اس کے حکم پر عمل کرو اور امن کا ذریعہ بنو، لوگوں کی راحت کا ذریعہ بنو، لوگوں کے فائدہ کا ذریعہ بنو، یہ دونوں باتیں دین اسلام میں رکھی گئی ہیں اور ہم کو اس بات کی تلقین کی گئی ہے کہ ہم اپنے آپ کو ایسا بنائیں کہ ہم کو اور ہمارے معاملہ کو دیکھ کر دوسرے لوگ متاثر ہوں اور وہ یہ سمجھیں کہ ہم انسان ہیں اور انسان ایسا ہوتا ہے، انسان دوسروں کو فائدہ پہنچانے والا ہوتا ہے، انسان صرف فائدہ اٹھانے والا نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ فائدہ پہنچانے والا ہوتا ہے۔

قرنِ اول کی ایک مثال:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے واقعات میں ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدان جنگ میں پیاس سے تڑپ رہے تھے، انہوں نے کسی سے پانی طلب کیا، جب وہ پانی لائے تو ان کے برابر میں تڑپ رہے شخص نے پانی کی خواہش ظاہر کی تو انہوں نے اپنے اوپر ان کو ترجیح دے دی، اتنے میں دوسرے شخص نے پانی کی آواز دی اور انہوں نے ان کو ترجیح دی؛ یہی سلسلہ رہا حتی کہ کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی جان دے دی اور کوئی بھی پانی نہ پی سکا، بلاشبہ شدت کرب والم اور موت کے وقت تک ایثار وقربانی کی یہ زریں مثالیں تاریخ انسانی کا ایک سنہرا باب ہیں اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگیوں میں ایسا واقعہ کوئی ایک دو نہیں ہے؛ بلکہ بے شمار ایسے واقعات موجود ہیں۔

اسلام ہم کو یہ سکھاتا ہے کہ ہم صرف اپنی ہی فکر نہ کریں؛ بلکہ دوسروں کی بھی فکر کریں، دوسروں کی فکر کا مطلب ہے کہ ان کی راحت اور ان کی ضرورت کے لحاظ سے ہم ان کی فکر کریں، ہر انسان کے لیے اپنی ضروریات کا لحاظ کرنا آسان ہے؛ لیکن دوسرے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر اس ضرورت کو ہم پورا کر سکتے ہیں تو پورا کر دیں؛ ایسے عمل سے اللہ تعالیٰ بھی خوش ہوتا ہے کہ ہم دوسرے کی مدد کریں، دوسرے کو آرام

پہنچائیں، دوسرے کی ضرورتوں کو پورا کریں۔

تحریک پیام انسانیت کا پیغام:

''تحریک پیام انسانیت'' کا پیغام یہ ہے کہ دعوت کی راہ میں انسانیت کو بنیاد بنایا جائے، یہ بات ذہن میں رکھی جائے کہ جو انسان ہے وہ ہمارا بھائی ہے اور ہم انسانی معاملات میں اس کی پوری مدد کریں گے؛ البتہ اگر مذہب کا فرق ہے تو مذہب کے معاملہ میں الگ مسئلہ ہے؛ لیکن معاملہ اگر انسانی دائرہ کا ہے تو ہم اس کی انسانی مدد ضرور کریں گے اور اگر ہم یہ کریں تو ان شاء اللہ آپ دیکھیں گے کہ تمام مسلمانوں کے متعلق بڑی اچھی رائے قائم ہوگی اور لوگوں میں یہ تصور عام ہوگا کہ یہ بہت اچھے انسان ہیں، یہ ہمدرد انسان ہیں، ان میں بڑی انسانیت ہے اور پھر اگر آپ اسی انداز میں کام کرتے رہیں گے کہ ہماری بات دوسرے کو بری نہ لگے اور ہماری بات انسانی سطح کے موافق ہو؛ کیونکہ انسانی سطح پر سب برابر ہیں، ہم کسی سے بھی بات کریں، وہ چاہے ہم سے کتنا ہی اختلاف رکھتا ہو؛ لیکن جب ہم اس سے انسانی سطح پر بات کریں گے تو وہ بات اس کو لگے گی اور اس کو پسند آئے گی، اس طریقہ سے ہم اس ملک میں ایک اچھی مثال پیش کر سکتے ہیں، جس سے ملک کو بھی فائدہ ہوگا اور یہاں کے باشندوں میں مسلمانوں کے متعلق جو بری رائے قائم ہے وہ رائے بھی ختم ہوگی اور ایک اچھی رائے قائم ہوگی، اللہ تبارک وتعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔